

حدیث عثمان بن حنیف ﷛

میں مذکور موقوف قصہ کی تصحیح کا جائزہ



تالیف

ابوالمحبوب سید انور شاہ راشدی

المکتبۃ العالیۃ العلمیۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم،وبعد!

آج کل بعض حضرا تحضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے موقوف قصہ کے ساتھ مروی حدیث "حدیث توسل" کو بڑے زور و شور سے نشر کر کے اپنے تئیں اسے صحیح وثابت کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، جبکہ حقیقت میں وہ قصہ اصول حدیث کے اعتبار سے پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔

بعض فضلاء کی ترغیب و تحریض سے اس موقوف کی صحت وضعف کے اعتبار سے اصل حقیقت قارئین عظام کے گوش گذار کی جارہی ہے، دعاہے کہ اللہ تعالیٰ حق وسچ لکھنے ،قبول کرنے اوراسے عام کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔أللھم آمین!

اللھم ارناالحق حقاوارزقنا اتباعہ،وارناالباطل باطلاوارزقنا اجتنابہ، اللھم آمین۔

❁ امام ابوالقاسم طبرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" حَدَّثَنَا طَاهِرُ بْنُ عِيسَى بْنِ قَيْرَسٍ الْمِصْرِيُّ الْمُقْرِئُ، ثنا أَصْبَغُ بْنُ الْفَرَجِ، ثنا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْمَكِّيِّ، عَنْ رَوْحِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ الْخَطْمِيِّ الْمَدَنِيِّ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ، عَنْ عَمِّهِ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ: أَنَّ رَجُلًا، كَانَ يَخْتَلِفُ إِلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي حَاجَةٍ لَهُ، فَكَانَ عُثْمَانُ لَا يَلْتَفِتُ إِلَيْهِ وَلَا يَنْظُرُ فِي حَاجَتِهِ، فَلَقِيَ ابْنَ حُنَيْفٍ فَشَكَى ذَلِكَ إِلَيْهِ، فَقَالَ لَهُ عُثْمَانُ بْنُ حُنَيْفٍ: " ائْتِ الْمِيضَأَةَ فَتَوَضَّأْ، ثُمَّ ائْتِ الْمَسْجِدَ فَصَلِّ فِيهِ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ قُلْ: اللهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ، يَا مُحَمَّدُ إِنِّي أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلَى رَبِّي فَتَقْضِي لِي حَاجَتِي وَتُذْكُرُ حَاجَتَكَ " وَرُحْ حَتَّى أَرُوحَ مَعَكَ، فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ فَصَنَعَ مَا قَالَ لَهُ، ثُمَّ أَتَى بَابَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، فَجَاءَ الْبَوَّابُ حَتَّى أَخَذَ بِيَدِهِ فَأَدْخَلَهُ عَلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، فَأَجْلَسَهُ مَعَهُ عَلَى الطِّنْفِسَةِ، فَقَالَ: حَاجَتُكَ؟ فَذَكَرَ حَاجَتَهُ وَقَضَاهَا لَهُ، ثُمَّ قَالَ لَهُ: مَا ذَكَرْتُ حَاجَتَكَ حَتَّى كَانَ السَّاعَةُ، وَقَالَ: مَا كَانَتْ لَكَ مِنْ حَاجَةٍ فَأْذْكُرْهَا، ثُمَّ إِنَّ الرَّجُلَ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهِ فَلَقِيَ عُثْمَانَ بْنَ حُنَيْفٍ، فَقَالَ لَهُ: جَزَاكَ اللهُ خَيْرًا مَا كَانَ يَنْظُرُ فِي حَاجَتِي وَلَا يَلْتَفِتُ إِلَيَّ حَتَّى كَلَّمْتَهُ فِيَّ، فَقَالَ عُثْمَانُ بْنُ حُنَيْفٍ: وَاللهِ مَا كَلَّمْتُهُ، وَلَكِنِّي شَهِدْتُ رَسُولَ

اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَتَاهُ ضَرِيرٌ فَشَكَى إِلَيْهِ ذَهَابَ بَصَرِهِ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «فَتَصَبَّرْ» فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، لَيْسَ لِي قَائِدٌ وَقَدْ شَقَّ عَلَيَّ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «ائْتِ الْمِيضَأَةَ فَتَوَضَّأْ، ثُمَّ صَلِّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ ادْعُ بِهَذِهِ الدَّعَوَاتِ» قَالَ ابْنُ حُنَيْفٍ: فَوَاللهِ مَا تَفَرَّقْنَا وَطَالَ بِنَا الْحَدِيثُ حَتَّى دَخَلَ عَلَيْنَا الرَّجُلُ كَأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ بِهِ ضُرٌّ قَطُّ"۔ [1]

❀ مشیخۃ الامام یعقوب بن سفیان فسوی میں ہے:

"حدثناعبدالله بن جعفر ،قال : حدثنايعقوب ،قال :حدثناأحمدبن شبيب بن سعيد،قال: حدثناأبى،عن روح بن القاسم ،عن أبى جعفر المدنى،عن أبى أمامة بن سهل بن حنيف ،عن عمه عثمان بن حنيف :أن رجلا كان يختلف الىٰ عثمان۔۔۔الخ" [2]

تجزیہ: اس روایت میں مذکور قصہ ضعیف ،ناقابل اعتبار وناقابل احتجاج ہے،اوراس میں وجہ ضعف شبیب بن سعید ابوسعید یعنی عبداللہ بن وہب مصری

---

[1] المعجم الكبيرللطبرانى:۹، ۲۹۔۳۰

[2] المشيخة للفسوى:94,95

کے استاد ہیں.

امام علی بن مدینی رحمہ اللہ کی رائے

امام ابن عدی رحمہ اللہ اپنی سند سے امام علی بن مدینی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" ثنا بن العراد ثنا يعقوب بن شيبة سمعت علي بن المديني يقول شبيب بن سعيد بصري ثقة كان من أصحاب يونس كان يختلف في تجارة الى مصر وكتابه كتاب صحيح قال علي وقد كتبتها عن ابنه أحمد بن شبيب"

"شبیب بن سعید ثقہ اور یونس کے اصحاب میں سے تھے،آپ کا بغرض تجارت مصر آنا جانا رہتا تھا،آپ کی کتاب صحیح ہے،جسے میں نے آپ کے بیٹے احمد سے لکھا (یعنی روایت کیا) ہے" [3]

امام ابن عدی رحمہ اللہ کی رائے

آپ فرماتے ہیں:

---

[3]. الکامل:153/6

" شبيب بن سعيد الحبطي أبو سعيد التميمي حدث عنه بن وهب بالمناكير وحدث شبيب عن يونس عن الزهري نسخة الزهري أحاديث مستقيمة"

"شبیب بن سعید حبطی ابوسعید تمیمی ،اس سے ابن وہب نے منکراحادیث بیان کی ہیں،اورشبیب نے(جو اس کے پاس بروایت یونس) زہری کانسخہ تھاوہ روایت کیاہے"۔[4]

نیزفرماتے ہیں:

" ولشبيب بن سعيد نسخة الزهري عنده عن يونس عن الزهري وهي أحاديث مستقيمة وحدث عنه بن وهب بأحاديث مناكير۔۔۔ وكان شبيب إذا روى عنه ابنه أحمد بن شبيب نسخة يونس عن الزهري إذ هي أحاديث مستقيمة ليس هو شبيب بن سعيد الذي يحدث عنه بن وهب بالمناكير الذي يرويها عنه ولعل شبيب بمصر في تجارته إليها كتب عنه بن وهب من حفظه فيغلط ويهم وأرجو ان لا يتعمد شبيب هذا الكذب"

---

[4] الكامل: 153/6

"شبیب کے پاس زہری کا بروایت یونس ایک نسخہ تھا، جس کی مروی احادیث قوی ہیں، اور ابن وہب نے اس (شبیب) سے منکر احادیث بیان کی ہیں، شبیب سے جب اس کا بیٹا احمد زہری کا نسخہ (بروایت یونس) روایت کرے تو وہ احادیث قوی ہوتی ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ شبیب نہیں جس سے ابن وہب منکر احادیث بیان کرتا ہے، ممکن ہے شبیب مصر میں جب بغرض تجارت گئے تھے تب وہاں اس سے ابن وہب نے احادیث سن کر بعد میں روایت کی تھیں، جنہیں شبیب اپنے حافظے سے بیان کرنے کی وجہ سے غلطی اور وہم کے شکار ہو گئے تھے، اور میں سمجھتا ہوں کہ اس نے عمداً یہ غلط احادیث بیان نہیں کی ہیں"[5]

ان عبارات سے جو مفہوم اور حقیقت ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ :

شبیب کے پاس زہری کا نسخہ (کتاب) تھا جسے وہ اپنے شیخ یونس کے طریق سے روایت کرتے تھے، اور یہ نسخہ شبیب سے اس کے بیٹے احمد نے اور اس سے امام علی بن مدینی نے روایت کیا ہے، لہٰذا شبیب سے اس کا بیٹا احمد اس نسخہ سے روایت کرے تو اس نسخہ کی احادیث صحیح و قوی ہوتی ہیں، کیونکہ ایسی صورت میں شبیب کتاب سے روایت کرتے ہیں، (اور کتاب سے روایت کرنے میں حفظ وضبط کی کوئی شرط نہیں) البتہ شبیب جب مصر میں بغرض تجارت گئے تو اس نے اپنے حافظہ

---

[5] ۔الکامل:6,154

سے احادیث بیان کیں،اور وہاں اس سے ابن وہب نے بھی سماع کیا، مگر شبیب کے حافظے میں خلل ہونے کی وجہ سے اس سے منکر احادیث بیان ہو گئیں۔

محترم قارئین ! ابن عدی رحمہ اللہ کے درج بالا بیان سے دو باتیں ہمارے سامنے آتی ہیں:

1. شبیب سے عبداللہ بن وہب کی بیان کردہ احادیث منکر ہیں۔
2. شبیب ،زہری سے ،بروایت یونس جو نسخہ بیان کرتے تھے اسے اس کے بیٹے احمد نے اس سے روایت کیا ہے۔

احمد کی اپنے والد شبیب سے وہی احادیث قوی اور قابل حجت ہیں جنہیں وہ بروایت یونس زہری کے نسخہ سے بیان کرے،نہ کہ نسخہ کے علاوہ ہر قسم کی احادیث، کیونکہ شبیب کی مصر میں بیان کردہ منکر احادیث کا ذمہ دار خود شبیب ہے، ابن وہب نہیں، جیسا کہ اس پر ابن عدی کے الفاظ بخوبی دلالت کرتے ہیں کہ : "شبیب مصر میں جب بغرض تجارت گئے تھے تب وہاں اس سے ابن وہب نے احادیث سن کر بعد میں روایت کی تھیں، جنہیں شبیب اپنے حافظے سے بیان کرنے کی وجہ سے غلطی اور وہم کے شکار ہو گئے تھے،اور میں سمجھتا ہوں کہ اس نے عمداً یہ غلط احادیث بیان نہیں کیں"۔

اس کا سیدھا سادا مطلب اس کے سوا اور کیا نکلتا ہے کہ شبیب کے حافظہ اور ضبط خلل تھا جس کی وجہ سے مصر میں وہ احادیث بیان کرتے ہوئے اِغلاط کے

شکار ہوگئے،اس حوالے سے حافظ ذہبی نے ابن عدی سے جوالفاظ نقل کیے ہیں وہ بخوبی اس پر دلالت کرتے ہیں: كان شبيب لعله يغلط ويهم اذاحدث من حفظه ،وأرجوأنه لا يتعمد"، "لگتاہے شبیب جب (کوئی) حدیث اپنے حافظے سے بیان کرتاہے تو غلطی اور وہم میں مبتلا ہو جاتاہے،اور میں پر امید ہوں کہ وہ ایسا عمداً اور جان بوجھ کر نہیں کرتا" [6]

یہاں ایک بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ ابن عدی کو مصر میں شبیب کی بیان کردہ روایات میں مذکور نکارت میں بڑی قابل اعتراض باتیں نظر آئیں،اور یہ باتیں ان کے نزدیک یقینی طور غیر ثابت ہیں، کہ معاملہ عدم تعمد کے بیان کی وضاحت کی طرف جا پہنچا۔حالانکہ محض مناکیر ہوتیں تو اتنا مسئلہ نہیں تھا، لیکن انہوں نے ان مناکیر کو عدم تعمد پر محمول کیا کہ ان مناکیر میں تو بڑی قابل اعتراض چیزیں ہیں، لیکن شبیب چونکہ ایک عادل اور قابل اعتماد راوی ہے،اس لئے انہوں نے ان باتوں کو ان کے ضبط میں خلل ہونے پر محمول کر کے انہیں بری الذمہ قرار دیدیا،اس سے ثابت ہوتاہے کہ امام ابن عدی کے نزدیک ابن وہب کی شبیب سے بیان کردہ روایات قابل احتجاج تو دور قابل اعتبار بھی نہیں تھیں، کیونکہ انہیں اس کی روایات میں واضح طور پر ایسی قابل گرفت چیزیں

[6] -میزان الاعتدال: 2,262

نظر آئیں، جو ایک عادل راوی کے کردار سے میل نہیں کھاتیں، لہٰذا ابن وہب کی شبیب سے بیان کردہ روایات قابل احتجاج ہیں اور نہ ہی قابل اعتبار و قابل استشہاد جو انہیں بطور متابعت و استشہاد کے پیش کیا جائے، واللہ اعلم۔

امام ابن عدی کی جرح کی بنیاد

دراصل امام ابن عدی نے یہ نتیجہ ابن وہب کی شبیب سے بیان کردہ احادیث سے اس بنیاد پر نکالا کہ مصر میں شبیب کے پاس زہری کا نسخہ نہیں تھا کہ اس سے وہ ابن وہب سے احادیث بیان کرتا، بلکہ اس نے اس نسخہ کے علاوہ محض اپنے حافظے سے اپنے دیگر اساتذہ کی احادیث بیان کیں، مگر اس کی بیان کردہ احادیث میں نکارت تھی، جس سے ابن عدی یہ سمجھے کہ ان کے حافظہ میں خلل تھا جب ہی تو اس نے مناکیر بیان کی ہیں۔ نیز ان کے سامنے امام علی بن مدینی کا کلام بھی تھا جس کا مفہوم و مآل یہی کچھ بنتا ہے، کما سیأتی۔

لہٰذا ایسی صورت میں شبیب کی وہی روایت مقبول و حجت ہو گی جسے وہ زہری کے نسخہ سے بیان کرے، ورنہ اس کی بیان کردہ روایت ضعیف ہی ٹھہرے گی، چاہے اس کا بیٹا احمد ہی اس سے روایت کیوں نہ کرے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ:

1. شبیب سے ابن وہب کی بیان کردہ احادیث ضعیف و منکر ہیں۔
2. شبیب سے اس کے بیٹے احمد کی بھی وہی روایت درست اور قابل تسلیم ہو گی جسے وہ زہری کے نسخہ سے بیان کرے، ورنہ ضعیف ٹھہرے گی، واللہ اعلم۔

اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ شبیب کی "المعجم الکبیر" للطبرانی کے طریق سے مروی قصہ (جسے ابن وہب شبیب سے روایت کرتے ہیں) اور "المشیخۃ" للفسوی کے طریق سے مروی قصہ (جسے شبیب کے بیٹے احمد اس سے روایت کرتے ہیں) ضعیف، منکر اور ناقابل حجت و ناقابل اعتبار ہے، جس سے استدلال قطعاً غیر درست ہے، واللہ اعلم۔

[اشکالات وجوابات]

اشکال:۱: ابن حجر کی رائے

اگر یہ کوئی یہ کہے کہ: ابن حجر کے مطابق شبیب سے ابن وہب کی روایت ضعیف جبکہ اس کے بیٹے احمد کی اس سے روایت صحیح ہوتی ہے، لہٰذا اس اعتبار سے "المشیخۃ" للفسوی والا طریق درست اور صحیح قرار پاتا ہے۔

ازالہ: عرض ہے کہ ابن حجر نے "التقریب" میں یہ ضرور کہا ہے کہ : "لا باس بحديثه من رواية ابنه احمد عنه لا من رواية ابن وهب"، "ابن وہب کو چھوڑ کر اس سے اس کے بیٹے کی روایت میں کوئی حرج نہیں" [7] لیکن بنظر غائر اور ابن حجر کی مجموعی آراء کو دیکھنے کے بعد ان کی یہ رائے محل نظر معلوم ہوتی ہے،اس لئے کہ (جیسا کہ یہ بات معلوم ہے) کہ "التقریب"، دراصل "تھذیب التھذیب" کا ہی اختصار ہے، لہٰذا ظاہر ہے ابن حجر نے یہ خلاصہ "تھذیب التھذیب" سے ہی اخذ کیا ہوگا،نہ کہ محض مجرد اپنے اجتہاد سے،اس اعتبار سے "تقریب التھذیب" میں انہوں نے جو یہ خلاصہ دیا ہے وہ امام ابن عدی وغیرہ کے قول کے بنیاد پر ہی دیا ہے،اب جب ہم "تھذیب التھذیب" کی مراجعت کرتے ہیں تو وہاں ہمیں ابن عدی کی عبارت اس طرح ملتی ہے :

"ولماذكره ابن عدى ،وقال الكلام المتقدم ،قال بعده :ولعل شبيبا لماقدم مصر فى تجارته كتب عنه ابن وهب من حفظه فغلط ووهم

---

[7] - تقریب التھذیب: 430

،وأرجوأن لايتعمد الكذب ،واذاحدث عنه ابنه احمد فكأنه شبيب آخر يعني يجود"

"اورجب ابن عدی اسے (الکامل میں) درج کرکے اس کے متعلق ماقبل والا کلام ذکرکرکے کہتے ہیں: "شاید شبیب بغرض تجارت جب مصرآئے توابن وہب نے وہاں اس (شبیب) سے اس کے حافظے اور ضبط سے لکھا،جس کی وجہ سے اسے غلطی لگی اوروہم کاشکارہوگیا،میں سمجھتاہوں کہ اس نے عمدا جھوٹ نہیں بولا،لہٰذاجب اس سے اس کابیٹااحمد روایت کرتاہے تولگتاہے کہ یہ کوئی دوسرا شبیب ہے،(ابن حجراس کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ): (ابن عدی کی اس سے یہ مراد ہے کہ شبیب اس وقت (جب اس سے اس کابیٹاروایت کرے) حدیث درست اور صحیح بیان کرتاہے" [8]

جہاں تک ابن عدی کے کلام کاسوال ہے تواس میں احمد کی روایت کی صحت مطلّقا اپنے والد سے روایت کرنے میں نہیں (کمامرآنفا) بلکہ بروایت یونس نسخہ زہری سے مقید ہے،اور"تھذیب التھذیب" میں تقیید کے بجائے اطلاق واقع ہواہے،اب واللہ اعلم یہ (الکامل لابن عدی کے) نسخوں کافرق ہے یا یہ ابن حجر

---

[8] ۔تہذیب التہذیب: 4,307

سے سہو ہوا ہے،اس کی مزید تحقیق کی ضرورت ہے، لیکن بہر حال ایک بات تو واضح ہے کہ ابن عدی کا اپنا کلام مقید جبکہ ابن حجر کے نقل کردہ کلام میں اطلاق ہے،اس وجہ سے ابن حجر نے "تقریب التھذیب" میں خلاصہ دیتے وقت اطلاق کو ہی برقرار رکھا، لیکن یہ اطلاق ابن عدی کے اپنے اصل اور مکمل کلام سے میل نہیں کھاتا، جیساکہ اوپر گذرا۔

علاوہ ازیں اگر دیکھا جائے تو خود ابن حجر کو بھی شبیب کے حافظے میں کلام تھا،اس لئے بعض مقامات پر اس کے حفظ پر کلام کیا ہے، چنانچہ "فتح الباری" میں ایک روایت پر بحث کے ضمن میں فرماتے ہیں:

"وهذه الرواية التى أشاراليها رواية يونس بن يزيد عن الزهرى عن عائشة، أخرجه أبوعوانة فى صحيحه والبزار من طريق شبيب بن سعيد عن يونس ، وشبيب فى حفظه شئ وقد شذ بذالک"[9]

خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمائیں کہ :"شبیب کے حفظ میں کچھ کمزوری ہے"۔ یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ شبیب اس روایت میں یونس سے زہری کے نسخہ سے روایت کررہا ہے جس کے متعلق ابن عدی مثبت رائے رکھتے ہیں، یعنی شبیب

[9] -فتح الباری: 13,349

کی اس نسخہ سے روایت درست اور صحیح ہے،اس کے باوجود بھی ابن حجراس نسخہ کی روایت میں شبیب کو قصور وار قرار دے رہے ہیں، کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ابن حجر کو بھی شبیب کے حفظ پر کلام ہے،اب یہ الگ مسئلہ ہے کہ اوپر ذکر کردہ حدیث میں شبیب اپنے حفظ کے بجائے کتاب سے روایت کر رہاہے،اس میں ابن حجر صحیح ہیں یاغلط،یہ الگ مسئلہ ہے، لیکن بہر حال ان کے اس کلام سے یہ تو ثابت ہوا کہ انہیں شبیب کے حفظ میں کلام ضرور ہے،اس اعتبار سے ابن حجر کی مجموعی آراء کو مد نظر رکھنا ضروری ہے۔

اعتراض ! اگر کوئی یہ کہے کہ حافظ ابن حجر نے "لسان المیزان" میں شبیب کی مطلّقا توثیق کر رکھی ہے [10] لہٰذا ان کے نزدیک شبیب کی توثیق ہی معتبر تسلیم کی جائے گی۔

تو اس حوالے سے عرض ہے کہ "لسان المیزان" ابن حجر کی قدیم کتب میں سے ہے، جبکہ "تقریب التھذیب" اور "فتح الباری" ان کی آخری عمر میں لکھی گئی کتب میں سے ہے،اس اعتبار سے متأخر حکم ورائے ہی معتبر اور راجح ہو گی۔اور "تقریب التھذیب" و "فتح الباری" میں ان کی رائے "اللسان" کے بر عکس ہے، کمامر۔"فتح الباری" میں تو صراحت سے شبیب کے حافظے میں کمزوری ہونے

---

[10] -لسان المیزان:9/247

کااقرار کیاہے، لہٰذاایسی صورت میں عند المحققین ان کی یہی رائے ہی قبول کی جائے گی،دوسرے لفظوں میں ہم بعد یعنی "فتح الباری" والے حکم کو "اللسان" والی رائے سے رجوع تعبیر کریں گے،واللہ اعلم۔

امام علی بن مدینی رحمہ اللہ کی رائے

نظر غائر سے معلوم ہوتا ہے کہ امام علی بن مدینی بھی صرف شبیب کی کتاب سے روایت کو ہی درست سمجھتے ہیں،ان کے الفاظ ہیں:

"شبيب بن سعيد بصري ثقة كان من أصحاب يونس كان يختلف في تجارة الى مصر وكتابه كتاب صحيح"۔

" شبیب ثقہ ہے،اوراس کی کتاب صحیح ہے"

اگر کوئی یہ کہے کہ شبیب اگرامام علی بن مدینی کے نزدیک غیر ثقہ (یعنی اس کے حافظے میں کلام ہوتا)اور اس کی صرف کتاب ہی درست ہوتی تو انہیں وہ ثقہ کیوں کہتے؟کیونکہ ثقہ میں دو چیزیں ہوتی ہیں:

1. راوی کی عدالت
2. راوی کا ضبط

لہٰذاشبیب کاامام صاحب کے نزدیک ضبط بھی درست تھااسی لئے توانہیں ثقہ قرار دیاہے،ورنہ ان کااسے ثقہ کہناچہ معنیٰ دارد!

دراصل یہ اعتراض علامہ محمود سعید ممدوح نے اپنی کتاب ''رفع المنارۃ'' میں کیاہے۔ [11]

عرض ہے کہ بسااوقات ثقہ کااطلاق راوی کی محض عدالت پر بھی ہوتاہے، مثلا:امام دارقطنی بعض رواۃ کے متعلق یوں فرماتے ہیں:''ثقۃ(اوصدوق) سیٔ الحفظ''۔ [12] ثقہ کہنے کے باوجود سیٔ الحفظ کہا۔ثقہ سے یہاں ان کی مراد راوی کی عدالت ہے،اور سیٔ الحفظ کہہ کر ضبط کے اعتبار سے اس کی حیثیت متعین فرمادی۔

بعض دفعہ کتب کے راوی پر بھی ثقہ کااطلاق کیاجاتاہےاگراس کے اصول متقن اور صحیح ہوں،پھرچاہے اس کاضبط قوی ہو یانہ ہو،اس سے اس کی ثقاہت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ابوبکراحمد بن یوسف ابن خلاد البغدادی العطار کے متعلق محدثین کے ہاں مشہور تھاکہ وہ حدیث کاسرے سے علم ہی نہیں رکھتے،اس کے باوجود بھی اسے ثقہ

---

[11] ۔رفع المنارۃ:۱۲۹

[12] ۔تہذیب التہذیب:10/340

قرار دیدیا گیا،امام ابونعیم ،ابن ابی الفوارس،اور خطیب بغدادی وغیرہ نے اس کی توثیق کی ہے۔

ابن ابی الفوارس اور خطیب بغدادی اس کے متعلق کہتے ہیں:"کان لایعرف شیئامن العلم"،"لم یکن یعرف من الحدیث شیئا"(حدیث کااسے علم ہی نہیں تھا)جب حدیث کاسرے سے علم ہی نہیں توثقاہت کیسے ! دراصل اسے ثقہ اس لئے کہاگیاکہ اس کاسماع صحیح اور اس کے اصول متقن اور مضبوط تھے،اس لئے اس کی توثیق کردی گئی۔

حافظ ذہبی اس کے متعلق ائمہ کے توثیقی اقوال نقل کرنے کے بعد یوں فرماتے ہیں:

"فمن ھذاالوقت بل وقبله صارالحفاظ یطلقون ھذه اللفظة علی الشیخ الذی سماعه صحیح بقراءة متقن ،واثبات عدل،وترخصوا فی تسمیته بالثقة ،وانماالثقة فی عرف أئمة النقد کانت تقع علی العدل فی نفسه ،المتقن لماحمله ،الضابط لمانقل ،وله فھم ومعرفة بالفن ،فتوسع المتأخرون"۔

"تیسری صدی بلکہ اس سے بھی قبل حفاظ (حدیث) ثقہ کااطلاق اس شخص پر بھی کرنے لگ گئے تھے جس کامتقن قراءت کے ساتھ سماع صحیح اور عدالت ثابت ہو،اور ثقہ کااطلاق کرنے میں نرمی برتناشروع ہوگئے تھے، جبکہ ائمہ نقد کے ہاں ثقہ کااطلاق اس شخص پر ہوتا تھا،جو عادل ہونے کے ساتھ ساتھ عندالتحمل (حدیث لیتے وقت) وعندالاداء (اور حدیث نقل کرتے وقت) متقن اور ضابط ہو،اسے فن (حدیث) کافہم اوراس کی معرفت ہو۔لیکن متأخرین نے اس میں وسعت اختیار کرلی" (یعنی کتب کے رواۃ کے لئے ضبط کی شرط سرے سے ختم کردی)۔ [13]

اسی طرح ابوعلی مخلد بن جعفر بن مخلد بن سہل فارسی باقرجی الدقاق راوی کومحدثین نے ثقہ قراردیاہے۔

امام احمد بن علی البادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"كان ثقة ،صحيح السماع ،غيرأنه لم يكن يعرف شيئامن الحديث" [14]

13۔السیر:16/77,69

14۔ السیر:16/254

یہاں دیکھیں! یہ شخص علم حدیث سے ناواقف ہے، لیکن سماع درست اور صحیح ہونے کی وجہ سے اس کی توثیق کردی گئی۔

درج بالا دونوں مثالوں سے واضح ہو گیا کہ کوئی شخص اگر محض کتب کا راوی ہو تو اس وقت اس کے ضبط کو چیک کرنے کی ضرورت نہیں، اس کا سماع درست اور صحیح ہے تو ایسا راوی ثقہ ہو جاتا ہے، اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد بھی کہنا کہ ثقہ کے اطلاق سے راوی کی عدالت اور ضبط دونوں کی گواہی ہوتی ہے کسی طور درست نہیں، احمد بن علی البادی کو ثقہ بھی کہا اور پھر اسے "صحیح السماع" بھی قرار دیدیا گیا۔

امام علی بن مدینی نے شبیب کو پہلے ثقہ کہا پھر اس کو صحیح الکتاب قرار دیا، تو ممکن ہے ثقہ کا اطلاق اس کی عدالت کی وجہ سے کیا ہو (جیسا کہ امام دارقطنی کی مثال سے یہ واضح ہے) یا پھر اس توثیق کا تعلق اس کے صحیح الکتاب ہونے سے ہو، یعنی اس کے صحیح الکتاب ہونے کی وجہ سے اسے ثقہ قرار دیا ہو جیسا کہ احمد بن یوسف بن خلاد اور احمد بن علی البادی کے متعلق فیصلہ دیا گیا، اس حوالے سے خود امام علی بن مدینی سے بھی ایک نص مروی ہے، چنانچہ حفص بن غیاث کے متعلق

آپ نے فرمایا: "حفص ثبت"، جس پر انہیں کہا گیا کہ : "انہ یھم"۔ تو آپ نے حفص کو "ثبت" کہنے کی وجہ یوں بیان فرمائی: "کتابہٗ صحیح" (اس کی کتاب صحیح ہے) [15]

سو بہت حد تک ممکن ہے کہ شبیب کے متعلق امام علی بن مدینی کی توثیق سے مراد اس کی کتاب کا صحیح ہونا ہو، مطلّقااس کی توثیق نہیں، لہٰذااس اعتبار سے علامہ محمود سعید ممدوح کی بات محل نظر معلوم ہوتی ہے، واللہ اعلم۔

حاصل یہ ہے کہ اگر قرینہ ہو تو بعض دفعہ ثقہ کے اطلاق سے راوی کی عدالت بھی مراد ہوتی ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ ثقہ کہہ دینے سے راوی کی عدالت کے ساتھ ساتھ ہر وقت ضرور اس کے ضبط کی بھی شہادت ہوتی ہے درست نہیں۔

امام ابن عدی نے بھی امام علی بن مدینی کے درج بالا قول سے یہی اخذ کیا ہے،اسی لئے انہوں نے پہلے امام صاحب کا کلام درج کر کے پھر اپنی رائے دی ہے، کہ اس کی عدالت تو ٹھیک ہے، لیکن اس کے ضبط پر کلام ہے،اس لئے اس کی کتاب سے بیان کردہ ہی روایت درست اور صحیح ہے، حافظے سے بیان کردہ احادیث میں ضعف ہے۔ اگر امام علی بن مدینی کے نزدیک شبیب فی الحقیقۃ ضبط کے اعتبار سے بھی ٹھیک تھے تو انہیں ثقہ قرار دینے کے باوجود "وکتابہٗ صحیح" کہنے کی ضرورت

[15] ۔شرح علل الترمذی لابن رجب:2/594

ہی نہیں تھی۔ کیونکہ راوی جب ثقہ ہے تو پھر اس کی کتاب کی الگ سے صحت بتانا چہ معنیٰ دارد! لہٰذا یہاں یہ قرینہ بتارہاہے کہ امام صاحب کی ثقہ سے مراد شبیب کی عدالت ہے، اور کتاب کی صحت کا فیصلہ دے کر اس کی حیثیت متعین کر دی، اور ابن عدی نے بھی یہی سمجھاہے، واللہ اعلم۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی رائے

علامہ البانی رحمہ اللہ کے مطابق امام بخاری بھی ابن عدی والی رائے رکھتے ہیں، چنانچہ آپ نے ابن حجر سے درج ذیل کلام کرنے کے بعد یہی نتیجہ اخذ کیا ہے:

"أخرج البخارى من رواية ابنه عنه عن يونس أحاديث ،ولم يخرج من روايته عن غيريونس ولا من رواية ابن وهب عنه شيئا"

"بخاری نے اس (شبیب) کے بیٹے (احمد) کی یونس (کے طریق) سے بیان کردہ احادیث درج کی ہیں، اور اس کی وہ حدیثیں روایت نہیں کیں جو اس کا بیٹا یونس کے علاوہ کسی دوسرے (راوی) سے روایت کرتا ہے اور نہ ہی ابن وھب کی اس سے بیان کردہ احادیث (الصحیح) میں درج کی ہیں" (هدى السارى: ٥٨١) [16]

[16] -التوسل:85

اس اعتبار سے گویاامام بخاری کے نزدیک بھی شبیب کی وہی اِحادیث درست اور صحیح بنتی ہیں جنھیں احمد زہری کے نسخہ سے روایت کرے، ابن وہب اور احمد کی مطلّقا احادیث قوی نہیں،علامہ البانی کے مطابق ابن حجر بھی اشارتا یہی موقف رکھتے ہیں [17]

مگر علامہ محمود سعید ممدوح نے اس پر یہ اعتراض وارد کردیا ہے کہ: امام بخاری کے اس مؤقف کو امام بخاری کے کھاتے میں نہیں ڈالا جاسکتا، کیونکہ صحیح بخاری کی اپنی شرط ہے۔اگرامام بخاری نے اپنی الصحیح میں شبیب کی وہی احادیث درج کی ہیں جنھیں اس سے اس کا بیٹا احمد زہری کے نسخے سے روایت کرتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ امام بخاری کے نزدیک شبیب کی اس نسخہ کے علاوہ باقی احادیث صحیح نہیں۔کیونکہ "الصحیح" کی شرط پر نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ فی الحقیقۃ وہ حدیث ضعیف ہو۔بلکہ چونکہ کتاب سے روایت ضبط کی بنسبت اصح یعنی زیادہ صحیح ہوتی ہے،اسی لیے امام بخاری نے شبیب کی کتاب والی احادیث ہی درج کی ہیں، لہٰذاامام بخاری کے طرز سے ان کے نزدیک شبیب کے ضبط میں کلام کاالزام دیناغیر درست ہے"۔انتہیٰ کلامہٗ بتصرف۔ [18]

---

17 ۔ التوسل:85

18 ۔ رفع المنارة: 133,134

عرض ہے کہ حقیقت یہی ہے جو علامہ محمود سعید ممدوح کے درج بالا کلام میں گذری، لیکن سوچنے کی یہ بات ہے کہ کتاب کو چھوڑ کر شبیب دراِصل قلیل الروایۃ واقع ہوئے ہیں،اس کے اساتذہ کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے۔"تھذیب الکمال" کے مطابق شبیب کے شیوخ میں اِبان بن تغلب،اِبان بن اِبی عیاش، روح بن قاسم، شعبہ بن حجاج، محمد بن عمرو بن علقمۃ بن وقاص، یحیٰی بن اِبی اِنیسۃ اور یونس بن یزید اِیلی ہیں۔اور شبیب کی ان شیوخ سے کوئی زیادہ احادیث مروی نہیں ،تو ایسی صورت میں اگر اس کی (حافظہ سے بیان کردہ) بعض احادیث میں نکارت ہے تو اس کی باقی ماندہ بیان کردہ احادیث ضرور مشکوک ہو جاتی ہیں، کیونکہ قلّت روایت کے باوجود راوی کا اغلاط کا شکار ہونا اس بات پر دال ہے کہ راوی کا ضبط قوی نہیں،اس اعتبار سے امام بخاری و دیگر آئمہ آخر کس بنا پر اس کی احادیث پر اعتماد کر سکتے ہیں، لہٰذا بعید نہیں کہ امام بخاری بھی شبیب کی وہی احادیث درست سمجھتے ہوں جو نسخہ زہری سے ہی مروی ہوں۔اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے علامہ محمود سعید ممدوح کا تعاقب درست معلوم نہیں ہوتا،واللہ اِعلم۔

دیکھا جائے تو ابن حجر کے درج بالا کلام سے بھی اسی بات کا اشارہ ملتا ہے جسے علامہ البانی نے اختیار کیا ہے،اسی لئے امام بخاری کے حوالے سے انھوں نے شبیب کا نسخہ زہری سے روایت کرنے کا کہا،واللہ اِعلم۔

بہر حال ! امام بخاری کے حوالے سے علامہ صاحب کا نقد درست معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ قلّت روایت کے باوصف بھی اغلاط کا شکار ہونا راوی کے ضبط کے کمزور ہونے کی علامت ہے،اس لئے امام بخاری کی طرف شبیب کی مطلّقا ثقاہت منسوب نہیں کی جاسکتی،واللہ اعلم۔

(اشکال:۲):امام ابن عدی کا تفرد

بعض لوگوں نے اعتراض کیاہے کہ : امام ابن عدی اپنے اس قول کہ : "ولعل شبيبا لماقدم مصر فی تجارته كتب عنه ابن وهب من حفظه فغلط ووهم"، میں خود واہم اور محدثین سے مخالفت وشذوذ کے شکار اور جمہور کے مخالف ہوگئے ہیں،ان کی یہ بات مشکوک ہے،علم الرجال میں شکوک اور مفروضوں پر مبنی باتیں نہیں چلتیں،وہ بھی جمہور ائمہ ناقدین بشمول متشدد ومتعنت محدثین وناقدین کے مقابلے میں"،انتھیٰ کلامہ بتصرف۔

ازالہ! عرض ہے کہ محدثین کے اقوال اورآراء غالب طورپر ان کے اپنے اجتہادات پر ہی قائم ہیں،وہ راوی کی تمام (یاکم ازکم حسب استطاعت) صورتحال کاجائزہ لینے کے بعد جورائے مناسب اور اصوب معلوم ہوتی ہے اس کا اظہار کردیتے ہیں،امام ابن عدی نے جوشبیب کی روایت کی صحت کو نسخہ زہری سے

مقید کیاہےتو اس کی ان کے پاس دلیل ان کااجتہاد اور دیگرائمہ کےاقوال ہیں،بے تکاانھوں اپنافیصلہ نہیں دیاجیسا باور کرایا جا رہاہے،سابقہ سطور میں ہم بیان کرآئے ہیں کہ شبیب نے مصر میں عبداللہ بن وہب سے جواحادیث بیان کیں،انہیں ابن عدی نے منکر کہاہے،یہاں سے انھوں نے اجتہاداخذ کیاکہ اس کے حافظہ میں خلل تھاجب ہی تو ابن وہب کی اس سے بیان کردہ احادیث منکر ہوگئی ہیں،ان کاحافظہ اگردرست ہوتاتووہ ٹھیک احادیث بیان کرتے،توکیایہ بات ان کے اجتہاد کوپختہ اور مضبوط نہیں کرتی کہ ان کاشک درست اور بجا تھا؟ نیزشبیب کی مناکیر کاتودیگرائمہ نے بھی اقرار کیاہے،اس میں ابن عدی منفرد نہیں جوانہیں لتاڑنے اوران پراپناغصہ جھاڑنے کی پوری کوشش کی جارہی ہے!

امام بخاری کاطرزعمل اپنی رائے کے ساتھ حافظ ابن حجر کے الفاظ میں ہم سابقہ سطور میں نقل کرچکے ہیں کہ ان کے نزدیک بھی احمد کی وہی احادیث درست ہیں جنہیں وہ نسخہ زہری سے روایت کرے،امام علی بن المدینی نے بھی انہیں ثقہ قرار دینے کے بعد کہا: کتابہٗ کتاب صحیح"،کتاب کی صحت کے حوالے سے یہی بات امام ابوحاتم نے بھی فرمائی ہے [19]

[19] ۔الجرح والتعدیل:359/3

حافظ ذہبی بھی ان کے پاس مناکیر ہونے کااقرار کرتے ہیں: "وله غرائب" [20] حدث عنه ابن وهب بمناكير" [21] نیزابن عدی سے بھی درج بالا قول بغیر کسی نقد کے نقل کیاہے،خود حافظ ابن حجر بھی یہی رائے رکھتے ہیں،اسی لئے "تقریب التھذیب" میں اس پر کلمات توثیق کے اطلاق کے بجائے اس کی حدیث کی صحت کو مقید کیاہے،(کمامر)،آخر یہ سب کیاہے؟اس کے بعد بھی کہاجائے گاکہ ابن عدی نے دیگر محدثین کے برخلاف اور شذوذکی رائے اختیار کی ہے !ان ائمہ کے نزدیک بھی شبیب سے مصر میں بیان کردہ احادیث میں غلطیاں سرزد ہوئی ہیں،یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ احمد سے امام علی بن مدینی بھی روایت کرتے ہیں، مگرانھوں نے بھی اس سے صرف نسخہ زہری ہی روایت کیااوراسے صحیح کہاہے،دیگراحادیث اس سے روایت نہیں کیں [22]

امام ابن رجب رحمہ اللہ کی رائے

اسی طرح امام ابن رجب بھی اسی بات کے قائل ہیں،چنانچہ "شرح علل الترمذی" میں ایک عنوان یوں قائم کرتے ہیں:

---

[20] ۔تاریخ الاسلام للذهبي:12/183

[21] ۔میزان الاعتدال: 2/262

[22] ۔ الكامل لابن عدی: 6/153

”فی ذکرقوم من الثقات لایذکراکثرھم غالبا فی اکثر کتب الجرح ،وقد ضعف حدیثھم امافی بعض الأوقات أوفی بعض الأماکن أو عن بعض الشیوخ“۔

”وہ ثقہ رواۃ جنہیں اکثر محدثین غالب طور کتب الجرح میں درج نہیں کرتے، ان میں سے بعض ایسے ہیں جن کی حدیث بعض اوقات ضعیف ہوتی ہےاور بعض ایسے ہیں جن کی حدیث بعض جگہوں پر ضعیف ہوتی ہے،اور بعض ایسے ہوتے ہیں جن کی حدیث اپنے بعض شیوخ سے ضعیف ہوتی ہے(یعنی مطلّقا نہ صحیح ہوتی ہے اور نہ مطلّقا ضعیف)“

امام ابن رجب نے یہاں تین اقسام بیان فرمائی ہیں، قسم اول میں انہوں نے مختلطین کوذکر کیاہے،اس پر بحث کرنے کے بعد آگے پھر یوں فرماتے ہیں:

”ومن ھذاالنوع أیضا: قوم ثقات لھم کتاب صحیح وفی حفظھم بعض شئ،فکانوایحدثون من حفظھم أحیانا فیغلطون،ویحدثون أحیانا من کتبھم فیضبطون “۔

”کہ اس نوع میں وہ ثقات بھی شامل ہیں جن کی کتاب صحیح جبکہ ان کے ضبط میں کچھ کمزوری ہے،یہ لوگ بعض دفعہ اپنے حافظے سے (احادیث) بیان کرنے میں

غلطی کا شکار ہو جاتے ہیں، اور بعض دفعہ وہ اپنی کتب سے (احادیث) بیان کرتے ہیں تو درست روایت کرتے ہیں" [23]

ابن رجب نے اسی نوع میں امام علی بن مدینی اور امام ابن عدی کے درج بالا کلام کے ساتھ زیر بحث راوی شبیب بن سعید کو بھی درج کیا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی شبیب کا ثقہ ہونا اس کی کتاب سے مقید ہے، مطلّقا نہیں۔

اعتراض: علامہ محمود سعید ممدوح نے اس پر اعتراض وارد کر دیا ہے کہ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ابن رجب کے ہاں شبیب بن سعید اور اس کی طرح دیگر جو لوگ اس قسم میں مذکور ہیں ان کی کتاب صحیح اور ان کا ضبط کمزور ہے، بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ کتاب کے مقابلے میں ان کا ضبط کمزور ہے، نہ کہ علیٰ الاطلاق وہ کمزوری کے شکار ہیں، اس پر انہوں نے یہ دلیل دی کہ :

ایک تو ابن رجب نے ان کے حق میں: "وفی حفظھم بعض شئ"، (ان کے ضبط میں کچھ کمزوری ہے) کے الفاظ فرمائے ہیں، جس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ

23 ۔ شرح علل الترمذی :۳۲۷

ہر وقت اغلاط کا شکار ہوتے ہیں،اور انہیں حافظے کے اعتبار سے ضعیف قرار دیا جائے!

دوسرا یہ کہ ابن رجب نے اسی قسم میں اسی نوع کے تحت ثقات کی ایک جماعت کو بھی ذکر کیا ہے،مثلا: عبدالعزیز الدراوردی،ہمام بصری، امام عبدالرزاق صنعانی،امام ابوداؤد الطیالسی،ابراہیم بن سعد الزہری وغیرہم ،حالانکہ محدثین ان کی حدیث کو قبول کرتے آئے ہیں چاہے وہ کتاب سے حدیث بیان کریں یا حفظ سے۔۔الخ" انتہیٰ کلامہٗ ببعض التصرف۔ [24]

اولا: عرض ہے کہ علامہ محمود سعید ممدوح نے جن جن رواۃ کے اسماء گرامی لئے ہیں توامام ابن رجب نے انہیں محض درج ہی نہیں کیابلکہ اس پرانہوں نے ائمہ سے اقوال بھی نقل کئے ہیں جن میں یہ صراحت موجود ہے کہ فلاں راوی جب کتاب سے روایت کرے تو اس کی روایت صحیح اور اگر حافظے سے روایت کرے توضعیف ہے"، نیزابن رجب نے اس نوع میں قاضی شرک بن عبداللہ النخعی کو بھی درج کیاہے،جوایک معروف مختلط وسیئ الحفظ راوی ہیں،ان کے متعلق کہاگیاکہ :ان کی کتاب صحیح جبکہ ان کاحافظہ براہے"۔توکیاان کے متعلق بھی یہی

---

[24] ۔رفع المنارۃ: 132,133

کہاجائے گا کہ ان کا حافظہ زیادہ نہیں کم خراب تھا،اور اس کی حافظے سے بیان کردہ روایت صحیح ہے؟

میں ذیل میں ”شرح العلل“کی درج بالا نوع میں مذکور رواۃ اور ان کے متعلق محدثین کا کلام درج کر رہا ہوں جس کا طلاب العلم اور اہل علم خود مطالعہ کریں تاکہ انہیں اصل حقیقت کی آگاہی حاصل ہو۔

امام ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"من لا يحدث من كتابه فيهم في حديثه"

ومن هذا النوع أيضاً قوم ثقات لهم كتاب صحيح وفي حفظهم بعض شيء فكانوا يحدثون من حفظهم أحياناً فيغلطون، ويحدثون أحياناً من كتابهم فيضبطون:

"عبد الرزاق بن همام الصنعاني"

فمنهم عبد الرزاق بن همام:

وقد تقدم أنه لما كان بصيراً ويحدث من كتابه كان حديثه جيداً، وما حدث من حفظه خلط.قال أحمد في رواية الأثرم: في حديث عبد الرزاق عن معمر عن الزهري عن سالم عن أبيه: "أن النبي ـ صلى الله عليه وسلم ـ رأى على عمر ثوباً جديداً"، فقال: هذا كان يحدث به من حفظه، ولم يكن في الكتب، وقدقدم ذكر هذا الحديث في كتاب

اللباس.وقال يحيي بن معين: ما كتبت عن عبد الرزاق حديثاً واحداً إلا من كتابه كله.ومما أنكر على عبد الرزاق حديثه عن معمر عن الزهري عن أبي سلمة عن أبي هريرة مرفوعاً: "الخيل معقود في نواصيها الخير".أنكره أحمد ومحمد بن يحيي، وقال: لم يكن في أصل عبد الرزاق.وذكر الدارقطني أن الصواب إرساله.وقال الدارقطني عبد الرزاق يخطيء عن معمر في أحاديث لم تكن في الكتاب.

"عبد العزيز الدراوردي"

ومنهم الدراوردي عبد العزيز بن محمد.أحد علماء أهل المدينة وثقاتهم. قال الأثرم: قال أبو عبد الله: الدراوردي إذا حدث من حفظه فليس بشيء، أو نحو هذا.فقيل له: في تصنيفه؟ فقال: ليس الشأن في تصنيفه إن كان في أصل كتابه، وإلا فلا شيء.(كان يحدث بأحاديث ليس لها أصل في كتابه. قال: ويقولون: إن حديث هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة "أن النبي ـ صلى الله عليه وسلم ـ كان يستعذب له الماء"، ليس له أصل في كتابه) . انتهى.وقد تقدم عن ابن معين أنه قال في حديثه عن العلاء عن أبيه، عن أبي هريرة، عن النبي ـ صلى الله عليه وسلم ـ: "تقتل عماراً الفئة الباغية" إنه لم يكن في كتابه أيضاً. وقال يحيي بن معين: الدراوردي ما روى من كتابه فهو أثبت من حفظه.

"همام بن يحيي العوذي"

ومنهم همام بن يحيي العوذي البصري، أحد الثقات المشهورين.

قال يزيد بن زريع وعبد الرحمن بن مهدي: كتابه صحيح، وحفظه ليس بشيء.وكان يحيي بن سعيد لا يرضى كتابه، ولا حفظه، ثم بعد ذلك قدم معاذ بن هشام، فرآه يحيي يوافق هماماً في أشياء، فكان يحيي يقول بعد ذلك: كيف قال همام؟قال عبد الله بن أحمد: سمعت أبي قال: قال عفان: (ثنا) يوماً همام فقلت له: إن يزيد بن زريع حدثنا عن سعيد عن قتادة، ذكر خلاف ذلك الحديث قال: فذهب فنظر في الكتاب، ثم جاء فقال: يا عفان ألا تراني أخطىء، وأنا لا أعلم.قال عفان: وكان همام إذا حدثنا بقرب عهده بالكتاب فقلما كان يخطىء.قال عبد الله: وقال أبي: ومن سمع من همام بأخرة فهو أجود، لأن هماماً كان في آخر عمره أصابته زمانة، فكان يقرب عهده بالكتاب، فقلما كان يخطىء.

"شريك بن عبد الله النخعي"

ومنهم شريك بن عبد الله النخعي، قاضي الكوفة. قال يعقوب بن شيبة وغيره: كتبه صحاح، (وحفظه فيه اضطرب.وقال محمد بن عمار الموصلي الحافظ: شريك كتبه صحاح) . فمن سمع منه من كتبه فهو صحيح، قال: ولم يسمع من شريك من كتابه إلا إسحاق الأزرق.وقد قيل: إن أصوله كان فيها الخطأ، فذكر محمد بن يحيي (بن) سعيد القطان، عن ابيه، قال: نظرت في كتب شريك فإذا الخطأ في أصوله.وفرق آخرون بين ما حدث به في آخر عمره بعد ولايته القضاء، فضعفوه، لاشتغاله بالقضاء عن حفظ الحديث، وبين ما حدث به قبل ذلك

فصححوه.وقال أحمد في رواية الأثرم، وذكر سماع أبي نعيم من شريك، فقال: سماع قديم، وجعل أحمد يصححه.وقال أحمد في رواية ابنه عبد الله. قال لي حجاج بن محمد: كتبت عن شريك نحواً من خمسين حديثاً عن سالم قبل القضاء، يعني قبل أن يلي القضاء.قال أبو حاتم: حديث شريك، من حفظه بأخرة، وكان قد ساء حفظه، عن عاصم الأحول، عن الشعبي عن ابن عباس، "أن النبي - صلى الله عليه وسلم - احتجم وهو صائم محرم" فغلط فيه. ورواه جماعة، ولم يذكروا صائماً محرماً، إنما قالوا: "احتجم وأعطى الحجام أجره" وأنكر ذلك يحي القطان.قال عبد الجبار بن محمد الخطابي: قلت ليحي بن سعيد: زعموا أن شريكاً إنما خلط بأخرة، قال: ما زال مخلطاً، وبكل حال فهو سيء الحفظ، كثير الوهم.وقال إبراهيم بن سعيد الجوهري: أخطأ شريك في أربعمائة حديث.

"حماد بن أبي سليمان"

ومنهم حماد بن أبي سليمان.فقيه الكوفة، وشيخ أبي حنيفة.قال أبو داود سمعت أحمد يقول: حماد مقارب الحديث، ما روى عنه سفيان وشعبة والقدماء، قال: وهشام الدستوائي سمع منه قديماً، سماعه صالح، ولكن حماد بن سلمة عنده عنه تخليط.ونقل الأثرم عن أحمد، قال: رواية القدماء عن حماد (مقاربة) : (شعبة) والثوري وهشام الدستوائي.وأما غيرهم، فقد جاؤوا عنه بأعاجيب. قلت له: حجاج وحماد بن سلمة قال: حماد على ذاك، أي لا بأس به. قال: وقد سقط

فيه غير واحد مثل محمد بن جابر وأشار بيده، فظننت أنه سلمة الأحمر.قال الأثرم: ولعله قد عنى غيره.قوله: قد سقط فيه يعني رووا عنه ما لا يرتضى.وقال أبو داود عن احمد، قال: ما روى سفيان وشعبة وحماد، وعن إبراهيم، أحب إلي من رواية مغيرة عن إبراهيم، إلا أن في حديث الآخرين عن حماد تخليطاً.

"حفص بن غياث"

ومنهم حفص بن غياث النخعي، أبو عمر قاضي الكوفة.

قال أبو زرعة: ساء حفظه بعدما استقضى، فمن كتب عنه من (كتابه فهو صالح، وإلا فهو كذا وكذا. وقال ابن المديني حفص ثبت) . قيل له: إنه يهم. قال: كتابه صحيح.وقال يعقوب بن شيبة: (وهو ثقة ثبت) إذا حدث من كتابه ويتقي بعض حفظه.وقد تكلم في حفظه غير واحد، منهم الإمام أحمد.(وقال) داود بن رشيد: كان كثير الغلط.وذكر ذلك لمحمد بن عمار، فقال: لا، ولكن كان لا يحفظ حسناً، ولكن كان إذا حفظ الحديث، أي فكان يقوم به حسناً.وقد روي عن ابن معين أن حفصاً لم يكن يحدث إلا من حفظه ببغداد والكوفة ولم يخرج كتاباً، كتبوا عنه ثلاثة آلاف أو أربعة آلاف حديث من حفظه.

"شبيب بن سعيد الحبطي"

ومنهم شبيب بن سعيد الحبطي، البصري، أبو أحمد بن شبيب.خرج حديثه البخاري.قال علي بن المديني: ثقة. كان من أصحاب يونس بن

يزيد. كان يختلف في تجارة إلى مصر، وكتابه كتاب صحيح، وقد كتبتها عن ابنه أحمد.(قال ابن عدي: له نسخة عن يونس بن يزيد، عن الزهري، يرويها عنه ابنه أحمد) ، وهي أحاديث مستقيمة. وروى عنه ابن وهب أحاديث مناكير، فلعل شبيباً حدث بمصر في تجارته إليها، كتب عنه ابن وهب، من حفظه فيغلط ويهم.

"إبراهيم بن سعد الزهري"

ومنهم إبراهيم بن سعد الزهري، أحد الأعيان الثقات، المتفق على تخريج حديثهم. قال أحمد: كان يحدث من حفظه فيخطىء، وفي كتابه الصواب.وقد تكلم فيه يحي القطان.روى من حفظه أحاديث أنكرت عليه، منها: روى عن أبيه، عن أنس،عن النبي - صلى الله عليه وسلم - قال: "الأئمة من قريش".وسئل أحمد عنه، فقال: ليس هذا في كتب إبراهيم، لا ينبغي أن يكون له أصل.

"أبو داود الطيالسي"

ومنهم سليمان بن داود، أبو داود الطيالسي البصري.

حدث من حفظه فوهم، وكان حفظه كثيراً جداً. يقال أنه حدث من حفظه بأصبهان بأربعين ألف حديث فأخطأ فيها في مواضع، (وليس ذلك يعجب منه.

ويقال أنه أخطأ في ألف حديث) .ومن جملة ما أخطأ فيه أنه (روى عن شعبة عن سعيد) بن قطن عن أبي زيد الأنصاري مرفوعاً:

"من لم يرحم صغيرنا فليس منا". ويقال أنه نظر في كتابه فلم يجده.وقد ذكرنا هذا الحديث والاختلاف فيه في كتاب البر والصلة.

"يونس بن يزيد الأيلي"

ومنهم يونس بن يزيد الأيلي، صاحب الزهري.قال أحمد: إذا حدث من حفظه يخطىء.وقال أبو عثمان الرذعي: سألت أبا زرعة عن يونس في غير الزهري، فقال: ليس بالحافظ.قال: وقال لي أبو حاتم، وكان شاهداً: سمعت علي بن محمد الطنافسي يذكر عن وكيع، قال: لقيت يونس بن يزيد بمكة، فجهدت به الجهد على أن يقيم حديثاً، فلم يقدر عليه.قال أبو زرعة: كان صاحب كتاب، فإذا حدث من حفظه لم يكن عنده شيء.وكذا قال ابن المبارك، وابن مهدي في يونس: إن كتابه صحيح وقال ابن مهدي: لم أكتب حديث يونس بن يزيد إلا عن ابن المبارك، فإنه أخبرني أنه كتبها عنه من كتابه.

"عبد الصمد بن حسان"

ومنهم عبد الصمد بن حسان.ذكر البخاري في تاريخه أنه يهم من حفظه، قال: وأصله صحيح.وقد ذكر أحمد أن ابا عوانة كان يحدث من حفظه فيخطىء.وكذلك يحي بن أيوب المصري ـ قال أحمد: كان إذا حدث من حفظه يخطىء، وإذا حدث من كتاب فليس به بأس.وقد حدث يحيي من حفظه عن يحيي بن سعيد عن عمرة عن عائشة: في قراءة النبي ـ صلى الله عليه وسلم ـ في الوتر. فقال أحمد: من يحتمل هذا؟ يعني أنه خطأ فاحش.وقال أبو زرعة، في سويد بن سعيد: أما

كتبه فصحاح، كنت أتتبع أصوله، وأكتب منها، فأما إذا حدث من حفظه فلا.وقال البخاري: أبو أويس المدني ما روى من أصل كتابه فهو أصح.وقال ابن المبارك في إبراهيم بن طهمان، وأبي حمزة السكري: كانا صحيحي الكتب. وهذا يدل على أن حفظهما كان فيه شيء عنده"۔[25]

محترم قارئین! امام ابن رجب کا یہ تفصیلی کلام آپ کے سامنے ہے جس میں انہوں نے رواۃ کے متعلق ائمہ کی تصریحات بھی درج کی ہوئی ہیں، کیا اس پورے کلام سے کہیں بھی وہ کچھ ثابت ہوتا ہے یا کم از کم اشارہ ملتا ہے جس کا دعویٰ علامہ صاحب کر رہے ہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ امام ابن رجب نے اپنے اس کلام میں درج بالا رواۃ کی مطلّقا توثیق کی ہی نہیں، بلکہ جیسا کہ قسم اول کے عنوان سے بھی ظاہر ہے کہ یہ رواۃ ثقہ تو ہیں، مگر بعض اوقات، بعض اماکن، اور بعض شیوخ سے روایت کرنے میں ان کی حدیث ضعیف ہوتی ہے، جب ابن رجب خود ان کی مطلّقا توثیق نہیں کر رہے بلکہ ان کے ضعف کو مخصوص وقت، مقام، اور مخصوص شیوخ سے مقید کر رہے ہیں تو پھر علامہ صاحب کا یہ اعتراض کیسے درست ہو سکتا ہے کہ محدثین ان کی حدیث کو مطلّقا قبول کرتے ہیں، چاہے حافظہ سے بیان کریں یا ضبط

25- شرح علل الترمذی: 2/254,756

سے، تو ابن رجب ان کے بر عکس کیسے ان کی حافظے سے بیان کردہ حدیث کو صحیح کہہ سکتے ہیں،۔

یہاں بطور مثال ہم کہتے ہیں کہ کیا محدثین شریک بن عبداللہ کی حدیث مطلّقا قبول کرتے ہیں یا بعض شروط کے ساتھ ؟ یقینا بعض شروط کے ساتھ ان کی حدیث قبول کرتے ہیں، مطلّقا نہیں، تو کیا ابن رجب کے درج بالا کلام میں علامہ صاحب کی شریک بن عبداللہ پر نظر نہیں پڑی ہو گی، یقینا پڑی ہو گی، تو پھر اس سے اعراض کیوں کیا گیا ! پھر یہ بھی تو دیکھا جائے کہ ضروری نہیں کہ ابن رجب اور علامہ صاحب کا اس مسئلہ میں اتفاق ہو، اگر علامہ صاحب درج بالا رواۃ کو مطلّقا ثقہ سمجھ کر ان کی حدیث کو صحیح سمجھتے ہیں چاہے حافظے سے بیان کریں یا کتاب سے تو ضروری نہیں کہ ابن رجب بھی وہی رائے رکھتے ہوں، ممکن ہے ابن رجب ان رواۃ کی احادیث کو علیٰ الاطلاق قبول کرنے کا موقف نہ رکھتے ہوں، جو کہ حقیقت بھی یہی ہے، (کمامر) لہٰذا ایسی صورت میں اپنی رائے کو ابن رجب کی رائے سے جوڑ دینا یا اصل حقیقت کو بگاڑ دینا قطعاً غیر مناسب انداز اور رویہ ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ امام ابن رجب کے نزدیک درج بالا رواۃ کی حدیث مطلّقا قبول نہیں، بلکہ بعض اوقات، بعض جگہوں اور بعض شیوخ سے مقبول ہیں، علامہ صاحب کا یہ اعتراض حقیقت کے خلاف اور انتہائی کمزور ہے۔

ثانیا: امام ابن رجب نے شبیب کے متعلق امام علی بن المدینی اور امام ابن عدی کا کلام نقل کر کے اسے برقرار رکھا ہے، اور ابن عدی کے بارے میں اوپر ہم بالتفصیل کر آئے ہیں کہ ان کے نزدیک شبیب کے حافظے میں کلام ہونے کی وجہ سے ان کی زہری والے نسخہ ہی سے روایت درست ہے، اب بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ ابن رجب، ابن عدی کا کلام تو نقل کریں مگر ان سے وہ متفق بھی نہ ہوں، اور سمجھایہ جائے کہ ابن رجب کا یہ نہیں، بلکہ فلاں فلاں موقف ہے، ہمیں تو ابن رجب کی عبارت میں ایسا کچھ نہیں ملتا جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ وہ اور ابن عدی اس حوالے سے ایک دوسرے کے مخالف ہوں، بلکہ سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ ابن رجب، ابن عدی سے پوری طرح متفق ہیں، اور ابن عدی کے نزدیک اگر شبیب کے حافظے میں کمزوری ہے، تو ماننا پڑے گا کہ ابن رجب کے ہاں بھی اس کا یہی مقام و مرتبہ ہے، لہٰذا اس حقیقت کے برعکس اگر کسی اہل علم کو وہ کچھ محسوس ہوتا ہے جو علامہ محمود سعید ممدوح نے بیان کیا ہے تو براہ کرم ہمارے ساتھ تعاون فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائے۔

آخری بات:

درج بالا کلام، اور محدثین کے اقوال سے مذکورہ رواۃ کے متعلق ابن رجب کے اس قول "فی حفظھم بعض شئ" کی تعیین ہو گئی کہ اس سے ان کی مراد

کیاہے، لہٰذا قائل کی اپنی تصریح اور اور توضیح کو چھوڑ کر کوئی دوسرا مفہوم اور مراد قطعاً غیر مقبول اور غیر درست ہے، لہٰذا فکر مندی کوئی کوئی ضرورت نہیں۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ ابن رجب بھی امام ابن عدی سے متفق ہیں، اب جب امام علی بن المدینی، امام بخاری، حافظ ابن حجر، امام ابن رجب یہ تمام اِئمہ امام ابن عدی سے اس مسئلہ میں متفق ہیں، توآخر یہ کیسے کہاجاسکتاہے کہ وہ دیگر ائمہ کے مخالف اور شذوذ کی راہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔

متابعت

بعض اہل علم نے اسماعیل بن شبیب کو بھی احمد بن شبیب اور ابن وہب کے لئے متابع بنانے کی کوشش کی ہے، لہٰذااس کی حقیقت ہم واضح کیے دیتے ہیں:

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”أَخبَرَنَا أَبُو سَعِيدٍ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ أَبِي عُثْمَانَ الزَّاهِدُ رَحِمَهُ اللهُ، أَنبأَنَا الْإِمَامُ أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ إِسْمَاعِيلَ الشَّاشِيُّ الْقَفَّالُ، قَالَ: أَنبأَنَا أَبُو عَرُوبَةَ، حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ الْفَرَجِ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ شَبِيبٍ، حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ رَوْحِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ الْمَدِينِيِّ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ أَنَّ رَجُلًا كَانَ يَخْتَلِفُ إِلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ

عَنْهُ فِي حَاجَتِهِ، وكَانَ عُثْمَانُ لَا يَلْتَفِتُ إِلَيْهِ وَلَا يَنْظُرُ فِي حَاجَتِهِ، فَلَقِيَ عُثْمَانَ بْنَ حُنَيْف فشكا إِلَيْهِ ذَلِكَ فَقَالَ لَهُ عُثْمَانُ بْنُ حُنَيْفٍ: ائْتِ الْمِيضَأَةَ فَتَوَضَّأْ ثُمَّ ائْتِ الْمَسْجِدَ فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ قل: اللهم إني أسألك وأتوجه إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم نَبِيِّ الرَّحْمَةِ، يَا مُحَمَّدُإِنِّي أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلَى رَبِّي فَتَقْضِي لِي حَاجَتِي، وَاذْكُرْ حَاجَتَكَ، ثُمَّ رُحْ حَتَّى أَرْفَعَ، فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ وَصَنَعَ ذَلِكَ، ثُمَّ أَتَى بَابَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، فَجَاءَ الْبَوَّابُ، فَأَخَذَ بِيَدِهِ فَأَدْخَلَهُ عَلَى عُثْمَانَ، فَأَجْلَسَهُ مَعَهُ عَلَى الطِّنْفِسَةِ، فَقَالَ انْظُرْ مَا كَانَتْ لَكَ مِنْ حَاجَةٍ، ثُمَّ إِنَّ الرَّجُلَ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهِ فَلَقِيَ عُثْمَانَ بْنَ حُنَيْفٍ، فَقَالَ لَهُ جَزَاكَ اللَّهُ خَيْرًا مَا كَانَ يَنْظُرُ فِي حَاجَتِي وَلَا يَلْتَفِتُ إِلَيَّ حتى كلمته فَقَالَ لَهُ عُثْمَانُ بْنُ حُنَيْف مَا كَلَّمْتُهُ وَلَكِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَاءَهُ ضَرِيرٌ فَشَكَا إِلَيْهِ ذَهَابَ بَصَرِهِ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عليه وسلم: أو تصبر؟ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ لَيْسَ لِي قَائِدٌ، وَقَدْ شَقَّ عَلَيَّ، فَقَالَ ائْتِ الْمِيضَأَةَ فَتَوَضَّأْ، وصَلِّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قُلْ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ، يَا مُحَمَّدُ إِنِّي أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلَى رَبِّي فَيُجَلِّي لِي عَنْ بَصَرِي، اللَّهُمَّ شَفِّعْهُ فِيَّ وَشَفِّعْنِي فِي نَفْسِي قَالَ عثمان: فو الله ما تفرقنا وطَالَ بِنَا

الْحَدِيثُ حَتَّى دَخَلَ الرَّجُلُ كَأَنْ لَمْ يَكُنْ بِهِ ضَرَرٌ، وَقَدْ رَوَاهُ أَحْمَدُ بْنُ شَبِيبٍ عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِيهِ أَيْضًا بِطُولِهِ"[26]

عرض ہے کہ اگر اس متابعت کا جواب نہ بھی دیا جائے تب بھی اس روایت کی تضعیف پر کائی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ ہمارے نزدیک اس کا مرکزی ضعف شبیب بن سعید راوی ہے، جس کی حقیقت ہم سابقہ سطور میں واضح کر آئے ہیں، تو ایسی صورت میں متابعات و شواہد سے کوئی فرق نہیں پڑتا، کمالا یخفیٰ۔ لیکن پھر بھی ہم اس متابعت کی حقیقت واضح کیے دیتے ہیں۔

دراصل یہاں اسماعیل کی متابعت کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے، محض راوی کے وہم کی وجہ سے متابعت معلوم ہو رہی ہے، اصل بات یہ ہے کہ یہ حدیث ابو عروبہ سے اس کے دو تلامذہ روایت کرتے ہیں:

امام ابن السنی

محمد بن علی بن اسماعیل الشاشی

اول نے اپنے شیخ ابو عروبہ سے روایت کرتے ہوئی شبیب سے اس کا شاگرد احمد بن شبیب بتلاتے ہیں، جبکہ ثانی الذکر اپنے شیخ سے روایت کرتے ہوئے شبیب

26 ۔ دلائل النبوۃ للبیہقی: 6/168

کاشاگرد اسماعیل نامی شخص بتاتے ہیں،ان دونوں (یعنی امام ابن السنی اور محمد بن علی الشاشی کے مابین موازنہ کیاجائے تو ثقاہت میں امام ابن السنی کا مقام ومرتبہ محمد بن علی سے بڑھ کر ہے،امام ابن السنی ثقہ ،اور حافظ حدیث تھے، لہٰذا اس بناپر ان کی بیان کردہ حدیث کو ترجیح ہوگی۔جس کا نتیجہ محمد بن علی الشاشی کے طریق میں اسماعیل کاذکر ہوناوہم ٹھہرے گا، واللہ اعلم۔

شبیب کی اس روایت میں نکارت کا ہونا

ہم نے جب شبیب کی اس روایت پر غور کیاتو ہمیں بعض چیزیں قابل گرفت نظر آئیں، جن سے ابن عدی کاموقف کسی حدتک ثابت ہو جاتاہے کہ شبیب کی "ابن وہب اور احمد عن ابیہ عن یونس" کے طریق سے ہٹ کر مروی روایات میں نکارت ہے،ذیل میں علیٰ الترتیب ہم انہیں درج کررہے ہیں،ملاحظہ فرمائیں:

1. روایت میں بعض الفاظ ایسے ہیں جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مقام ومرتبہ سے موافقت نہیں رکھتے۔

راوی کہتے ہیں:

" أَنَّ رَجُلًا، كَانَ يَخْتَلِفُ إِلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي حَاجَةٍ لَهُ، فَكَانَ عُثْمَانُ لَا يَلْتَفِتُ إِلَيْهِ وَلَا يَنْظُرُ فِي حَاجَتِهِ، فَلَقِيَ ابْنَ حُنَيْفٍ فَشَكَى ذَلِكَ إِلَيْهِ"۔

"ایک شخص اپنے کسی کام کی وجہ سے عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس جاتا تھا، مگر عثمان رضی اللہ عنہ اس کی طرف التفات کرتے تھے اور نہ ہی اس کی ضرورت کو کوئی اہمیت دیتے تھے، تو وہ شخص عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ملے، اور انہیں ان کی شکایت کی"۔

سوال ہے کہ کیا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جیسے عظیم صحابی اور خلیفۃ المسلمین کے متعلق ایسا سوچا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی رعیت کے ساتھ ایسا ناروا سلوک اپناتے ہوں، عامۃ الناس ہوں یا خواص! خلیفۃ المسلمین کی یہ ذمیداری ہے کہ وہ ان کی خبر گیری اور ان کے مسائل حل کرنے کی حتیٰ الامکان پوری کوشش کرے، یہ شخص ایک دفعہ نہیں بار بار عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تھے، ہر بار اس سے غلط انداز میں پیش آیا گیا، ایک دفعہ سستی ہو تو کسی حد تک بات سمجھ میں آسکتی ہے اور اسے برداشت بھی کیا جاسکتا ہے، مگر وہ شخص کیا اتنا گیا گذرا تھا کہ اسے قابل التفات و قابل نظر بھی نہ سمجھا گیا، اب یا تو عثمان رضی اللہ عنہ کی اس سے کوئی ذاتی رنجش ہوسکتی ہے، جس کی وجہ سے اسے کوئی رسپانس نہیں ملا یا، پھر وہ شخص معاشرے

میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا یا اسے برا سمجھا جاتا تھا جس کی وجہ سے اس سے یہ طریقہ اپنایا جارہا تھا،اس کے علاوہ تیسری صورت بھلا کیا ہوسکتی ہے جو خلیفۃ المسلمین کو اس قسم کے انداز اختیار کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی؟

بہر کیف ! سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شان اور مقام اس سے کہیں بڑھ کر ہے کہ وہ عامۃالناس کے ساتھ ایسا رویہ اپنائیں۔

2. عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کو اس شخص نے اپنا مسئلہ جب بتایا تو انہوں نے بجائے عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس جانے اور انہیں اس حوالے سے آگاہ کرنے کے اس شخص کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنانے اور دعا کرنے کا حکم دیا، حالانکہ عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے جس نابینا صحابی کے واقعہ کو مستدل بناتے ہوئے اس شخص کو وسیلہ اختیار کرنے کا حکم دے رہے ہیں تو اس کے اور نابینا صحابی کے مسئلہ میں فرق ہے، نابینا صحابی کو بظاہر دنیاوی اسباب اثر نہیں کر سکتے تھے کہ وہ شفایاب ہو، اور اسے بینائی حاصل ہو جائے، اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ان کے وسیلہ کی بات سمجھ میں آتی ہے، مگر اس شخص کا مسئلہ ایسا نہیں تھا جو ناممکن ہو اور اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ کا مشورہ دیا جائے، مناسب تھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو اس شخص کے متعلق آگاہ کیا جاتا کہ اس کا یہ مسئلہ ہے، اور بار بار اسے واپس لوٹنا پڑا ہے، اس لئے براہ

کرم اس کے مسئلہ کو حل کیا جائے، مگر اس کے بر عکس اس شخص کو وسیلہ اختیار کرنے کا مشورہ دیا جارہاہے جو کہ ہماری سمجھ سے بالاترہے، حالانکہ عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کے مستدل بہا اور مستدل لہا مسئلہ کے درمیان بہت فرق ہے، ایک بظاہر ناممکن ہے، یعنی نابینا صحابی کامسئلہ، اور دوسرا بظاہر ممکن ہے، یعنی عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس جانے والے شخص کامسئلہ، عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کو چاہیئے تھاکہ وہ اس شخص کامسئلہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے آگے رکھتے، مگر اس کے بجائے انہوں نے جو طریقہ اپنایا وہ موقعہ سے مناسبت نہیں رکھتا، کمالایخفیٰ۔

3. روایت میں ہے کہ عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے کہا کہ دو رکعت پڑھنے کے بعد دعامیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کاوسیلہ اختیار کرنا، اور نماز سے فراغت کے بعد پھر ہم اکٹھے عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس چلیں گے، مگر وہ شخص عثمان بن حنیف کے ساتھ جانے کے بجائے اکیلے ہی اپناکام نمٹانے عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے، حالانکہ اسے عثمان بن حنیف کے پاس آناچاہیئے تھا، روایت کے الفاظ ہیں :

" وَرُحْ حَتَّى أَرْوحَ مَعَكَ، فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ فَصَنَعَ مَا قَالَ لَهُ، ثُمَّ أَتَى بَابَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ"۔

4. روایت کے مطابق متاثر شخص دو رکعات پڑھ کر جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گیااور اسے ان کے پاس بلایا گیا، تو عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے کہا: "ماذکرت حاجتک حتیٰ کان الساعۃ"، "تمہارا یہ مسئلہ ابھی مجھے سمجھ آیا ہے"۔

اولا: پہلے جب یہ شخص بار بار عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس اپنے کام کے حوالے سے جاتا رہا، اور عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی بات سننا تو دور اسے قابل التفات ہی نہیں سمجھا تو آخر انہیں اس کی یہ بات سمجھ بھی کیسے آسکتی تھی؟ لہٰذا اس بار ان کا یہ کہنا کہ: مجھے تمہارا مسئلہ ابھی سمجھ آیا ہے"، اخلاقا و شرعا حقیقت کے بلکل ہی منافی اور خلاف ہے، ویسے بالفرض ہم وقتی طور پر یہ مان بھی لیں کہ کسی عذر کی وجہ سے انہیں ایک دفعہ بات سمجھ نہیں آئی، لیکن یہ شخص تو اس کے بعد بھی ان کے پاس جاتا رہاہے، ہر بار انہیں کچھ نہیں سمجھ آیا، اور یہ بھی تو کہا جاسکتا ہے کہ اگر سمجھ نہیں آئی تھی دوسری دفعہ بتانے کا مطالبہ بھی تو کیا جاسکتا تھا، یا اگر واقعتاً سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے یہ بات اوپر تھی تو کسی اور سے ہی اس کو سمجھ کر اس کے مسئلے کو حل کیا جاسکتا تھا، لیکن ایسا نہیں ہوا، لہٰذا عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ عذر دے کر کہ: یہ بات پہلے سمجھ نہیں آئی تھی اور اب کی دفعہ وہ سمجھ گئے ہیں" یکسر حقائق کے خلاف ہے۔ یہ عذر کسی طور قابل قبول بننے کے لائق ہی نہیں، اور ہم بالجزم یہ کہتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ایسا ویسا کہہ ہی نہیں سکتے، وہ اس

تمام قصہ سے بری ہیں،لہٰذا محض انہیں بری کرنے کے لئے جوانداز اختیار کیا گیاہے وہ اور بھی ان کے کردار کے لئے مضر بن سکتاہے۔

ثانیا: متاثر شخص کی آخری دفعہ جب بات سنی گئی اور مسئلہ حل ہونے کے بعد وہ واپس عثمان بن حنیف کے پاس آکرانہیں کہتاہے :اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے،آپ نے میرے متعلق سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے بات کی ہے،اس لئے میرا کام ہواہے ،ورنہ عثمان رضی اللہ عنہ میرا کام تودور ! مجھے لائق التفات ہی نہیں سمجھتے تھے"،یہ کلام کس قدر عجیب ہے،جب عثمان رضی اللہ عنہ تسلیم کررہے ہیں کہ مجھے تمہاری یہ بات ابھی ابھی سمجھ آئی ہے،اور اس کے بعد اس کا مسئلہ حل کیاہے،توپھر اس شخص کا عثمان بن حنیف سے یہ بے تکی بات کہنا کہ : تمہاری سفارش سے میرا کام ہو گیاہے"،کیایہ جملہ غلط بیانی کے زمرے میں نہیں آتا؟اورجب اس شخص کوپتا بھی ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو میرا مسئلہ اس باراور میرے ہی بتانے پر(نہ کہ کسی اور کے کہنے پر) سمجھ آیاہے توپھر آخر اسے عثمان بن حنیف کا شکریہ اداکرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی کہ آپ کے کہنے سے ہی میرا مسئلہ حل ہواہے ؟۔

ثالثا: اس شخص سے جب عثمان رضی اللہ عنہ نے آخری بار مسئلہ پوچھااور حل کیاتوکیااس سے اسے معلوم نہیں ہواکہ مجھ سے قبل عثمان بن حنیف نے میرے

کام کا تذکرہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے نہیں کیا، جب سیدنا عثمان اس سے پوچھ رہے ہیں کہ تم اپنا کام بتاؤ، تو اس سے ثابت ہوا کہ اس سے قبل عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے ڈسکس نہیں کیا، لہٰذا اتنی وضاحت کے بعد بھی پھر یہ شخص عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کا شکریہ ادا کرتا ہے کہ شاید انہوں نے اس کی سفارش کی ہے، اگر سفارش کی ہوتی تو سیدنا عثمان رضی اللہ دوبارہ اس سے اس کے مسئلہ کا نہ پوچھتے!

5. روایت ابوامامہ بن سہل بن حنیف اپنے چچا عثمان بن حنیف سے بیان کرتے ہیں، اور مرفوع و موقوف قصہ دونوں کو ہی بیان کرنے والے عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ ہی ہیں، روایت کے الفاظ ہیں:

" عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ، عَنْ عَمِّهِ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ: أَنَّ رَجُلًا"۔

جب مرفوع حدیث اور موقوف قصہ کے راوی عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ خود ہیں تو کیا ان کا اپنے متعلق درج ذیل انداز اختیار کرنا درست ہے؟

6. عثمان بن حنیف بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس۔۔۔ جاتے تھے، لیکن وہ ان کی طرف التفات نہیں کرتے تھے، پھر وہ شخص

ابن حنیف سے ملا،اور اس نے ان کی شکایت کی،تو عثمان بن حنیف نے اسے کہا:۔۔۔پھر وہ شخص عثمان رضی اللہ عنہ سے ہو کر عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔۔۔پھر عثمان بن حنیف نے اسے کہا۔۔۔الخ"۔

سوال یہ ہے کہ جب مرفوع حدیث کے ساتھ ساتھ اس موقوف قصہ کے راوی اور شاہد بھی عثمان بن حنیف خود ہیں تو انہیں"فلقی ابن حنیف"،"فقال عثمان بن حنیف"،وغیرہ جیسے الفاظ کے بجائے"فلقینی"،اور فقلت"،جیسے الفاظ کہنے چاہئے تھے،مگر روایت میں مذکور الفاظ سے شبہ ہوتا ہے کہ اس قصہ کو عثمان بن حنیف کے بجائے کوئی دوسرا شخص اس کو بیان کررہاہے،حالانکہ سند میں صراحت سے لکھاہواہے کہ ابوامامہ بن سہل اپنے چچا"عن عمہ عثمان بن حنیف" سے روایت کرتے ہوئے ان کے بیان کردہ قصہ کو نقل کررہاہے،یہ وہم دلالت کرتاہے کہ شبیب اس روایت کو بیان کرنے میں غلطی کا شکار ضرور ہوگیاہے،نیز ہم احباب سے ملتمس ہیں کہ وہ اس گتھی کو سلجھائیں کہ اس قصہ کو بیان کرنے والاابوامامہ بن سہل ہے یااس کے چچاعثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ ہیں یا کوئی اور شخص ہے،لہٰذا جو بھی طے کریں دلیل سے طے کریں،ورنہ اس قصہ کو مشکوک کرنے کے لئے یہی ایک وجہ کافی ہے۔

خلاصہ کلام ! جس (موقوف) قصے میں اس قدر اشکالات اور نکارتیں ہوں وہ آخر کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ابن عدی وغیرہ کی جرح کو رد کرتے ہوئے شبیب بن سعید کے حافظے میں کلام نہ بھی مانا جائے،اسے مطلّقا ثقہ تسلیم کر لیا جائے،تب بھی کم از کم اس کا بیان کردہ یہ قصہ غیر ثابت ہی ٹھہرتا ہے،(کیونکہ ثقہ ہونے کا ہر گز یہ مطلب نہیں کہ وہ غلطی کلیتًا مبرا ہے) جیسا کہ تفصیل آپ قارئین کے سامنے ہے،لہٰذا اس قدر وضاحت کے بعد بھی اسے صحیح ماننا گویا ان تمام باتوں سے صرف نظر کرنا ہے،لیکن بہر حال حقیقت حقیقت ہی رہے گی،چاہے اسے کتنا بھی مسخ کرنے کی کوشش کی جائے۔

سبحانک اللهم وبحمدک أشهدأن لاالٰه الاأنت أستغفرک وأتوب الیک

31/3/2020

ابوالمحبوب سیدانورشاہ الراشدی السندھی

یادداشت